وسجد الی الارض)۔ اسی طرح جب حضرت سارہ کا انتقال ہوا اور بنی حِت نے انکی قبر کے لیے زمین بلا معاوضہ پیش کی تو یہاں بھی حضرت ابراہیمؑ نے اُس قوم کے لیے اعترافِ احسان میں "سجدہ" کیا (فقام ابراھیم وسجد لشعب الارض لبنی حت۔ اور فسجد ابراھیم امام شعب الارض) یہ وہی چیز ہے جسے انگریزی میں BOW کرنا کہتے ہیں اور جو آج تک یورپ میں داخلِ آداب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ظلم کے جواب میں جس عفو اور فضل اور احسان کا سلوک کیا تھا اور کنعان کی بدوی زندگی کے بجائے مصر میں شان اور عزت کے جس مقام پر انہیں پہنچایا تھا اسکے اعتراف و شکریہ میں انکے بھائیوں اور ان کے والدین نے اپنے ہاں کی تہذیب کے مطابق سرخم کیا اور یہی وہ بے اختیارانہ جھکاؤ تھا جسے قرآن نے "خروا له سجدًا" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

رشوت و خیانت کے متعلق چند مزید مسائل

"رشوت و خیانت کے متعلق ترجمان القرآن کے ایک گذشتہ پرچہ میں رسائل و مسائل کے زیرعنوان آپ نے جن مسائل پر بحث کی ہے انہیں کے متعلق چند مزید سوالات مجھے درپیش ہیں۔ امید ہے کہ آپ ان کے مدلل جوابات سے میرے اور میرے بعض رفقا کے شبہات کو دور فرما دینگے۔ سوالات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ایسا افسروں کو ٹی پارٹیاں دینا بھی کیا رشوت میں شمار ہوگا جن کو حکومت کسی ایک فرد یا جماعت کے کام کی جانچ پڑتال کے لیے وقتی طور پر مقرر کرتی ہے؟ یہ لوگ تو غالباً اصطلاحی افسر کی حیثیت نہیں رکھتے، پھر ان کی خاطر و مدارات میں کیا حرج ہے؟

۲۔ ایک گروہِ کثیر کا خیال ہے کہ گورنمنٹ کا مال، بالخصوص وہ مال جو پبلک کے مفاد پر صرف نہیں ہوتا بلکہ اسے گورنمنٹ اپنے مفاد اور تحفظ پر صرف کرتی ہے، جس صورت میں بھی لیا جاسکے، لے لینا

جائز ہے۔ یعنی خیانتاً یا بذریعہ رشوت وغیرہ۔ اس پر دلیل یہ لائی جاتی ہے کہ سُود جس کا لینا دینا قطعی حرام ہے، اعاظم علما کے فتووں کے مطابق سرکاری بنک سے وصول کر لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اسے بنک میں چھوڑا جائے تو عیسائی مشنریوں کی وساطت سے وہ خود اسلام کے خلاف استعمال ہوگا۔ پھر فرمایئے کہ وہ مال جو کسی غلط نظامِ حکومت کے استحکام میں صرف ہوتا ہے اور جس کے متعلق یہ بھی ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کا اپنا نہیں ہے بلکہ رعایا ہی سے بطورِ غصب لیا گیا ہے، کیوں نہ اسے ہر ذریعہ سے واپس حاصل کیا جائے؟"

آپ نے جو سوالات کئے ہیں ان کا جواب دینے سے پہلے اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم جو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز پر زور دیتے ہیں اور لوگوں کو اپنی اخلاقی ذمہ داریاں سمجھنے اور انہیں ملحوظ رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، اس سے ہماری غرض ہرگز یہ نہیں ہے کہ موجودہ نظامِ باطل کو ایک ایسی پرہیزگار رعایا فراہم کر کے دیں جو ان کے لیے کم سے کم حد تک وجہ پریشانی ہو۔ درحقیقت اس نظامِ باطل کے طبعی اور لازمی ثمرات یہی ہیں کہ لوگ اخلاقی ذمہ داریوں سے بے پروا اور اپنی خواہشات و ضروریات کو پورا کرنے میں قانون کی گرفت کے سوا ہر دوسری قید سے آزاد ہوں۔ ملازموں کا رشوت خوار اور خائن ہونا اور رعیت کا وسیع معنوں میں چور ہونا اس نظام کا لازمی نتیجہ ہے، اس نظام نے انہیں صفات کی تخم ریزی کی ہے اور یہ نظام اس کا مستحق ہے کہ اس کے لیے یہی ثمرات اسکی تخم ریزی کے نتیجہ میں پیدا ہوں۔ ظاہر ہے کہ خائنوں، چوروں اور بداخلاق لوگوں کی قیادت میں پاکیزہ اخلاق رکھنے والے لوگ تو پرورش نہیں پا سکتے۔ پس اخلاق کی گفتگو سے ہماری غرض یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان بدسیرت اور بدکردار کارفرماؤں کو انکی کشت خبیث کے زہریلے ثمرات سے بچائیں اور صالح ثمرات ان کے لیے فراہم کریں۔ مگر ہمیں جو کچھ فکر ہے وہ دراصل خود اپنے اخلاق اور اپنی سیرت و کردار کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس نظام کے بُرے اثرات سے اپنے بھائیوں

کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو بچائیں اور ان کے اندر اُن اعلیٰ درجہ کے اخلاق کو نشوونما دیں جن کی بدولت وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں موجودہ بدعمل کارکنوں اور کارفرماؤں کی بہ نسبت صالح تر ٹھیریں اور اللہ تعالیٰ دنیا کی قیادت کے لیے اُن کی بہ نسبت اِن کو اہل تر قرار دے۔ اس غرض کے لیے ہم اُن بُرائیوں سے بھی لوگوں کو بچنے کا مشورہ دیتے ہیں جن کا ارتکاب اگرچہ موجودہ نظام کے مقابلہ میں کوئی بُرائی نہیں ہے بلکہ شاید بھلائی کی تعریف میں آسکتا ہے، مگر وہ بجائے خود اخلاق اور شریعت کی نگاہ میں مذموم ہیں۔ اب میں سلسلہ وار آپ کے سوالات کے جوابات عرض کرتا ہوں:۔

۱۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، خواہ اپنے مستقل افسر ہوں یا کسی دوسرے محکمہ کے لوگ ہوں جنہیں جانچ پڑتال وغیرہ کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، اُن کے ساتھ مخلصانہ محبت اور شخصی عقیدت و گرویدگی کا تعلق شاید ایک فی ہزار حالات میں بھی نہیں ہوتا اور اگر ان سے مفاد وابستہ نہ ہوں تو غالباً کوئی شخص ان کی خاطر و مدارات کا خیال بھی نہیں کرسکتا۔ یہ دعوتیں اور ٹی پارٹیاں سب اسی غرض سے ہوتی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے کوئی فائدہ، کوئی رعایت یا کم از کم چشم پوشی حاصل کی جائے۔ اس لیے فی الحقیقت یہ بھی اُسی طرح رشوت کی تعریف میں آتی ہیں جس طرح عام اور معروف رشوت۔ لیکن جیسا کہ میں نے اوپر اپنی اصولی توضیح میں بیان کیا ہے اس کے خلاف ہمیں جو کچھ بھی اعتراض ہے، اس بنیاد پر ہے کہ ایسی پارٹیوں کے دینے اور قبول کرنے سے ہمارے اپنے بھائیوں میں ناجائز ذرائع سے کام نکالنے اور لوگوں سے ناجائز فائدے اٹھانے کی بیماری پرورش پاتی ہے۔ ورنہ یہ سارا نظام تو حرام سے بنتا، حرام کھاتا اور حرام ہی اُگلتا ہے۔

۲۔ اس سوال کو جس طریقہ سے آپ نے پیش کیا ہے اس میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ آپ یا جن لوگوں کا نقطۂ نظر یہ ہے، صرف اس پہلو کو مدِنظر رکھتے ہیں کہ ایک فریق کے پاس مال

کس نوعیت کا ہے، مگر اس پہلو کو پیشِ نظر نہیں رکھتے کہ دوسرا فریق اس کو حاصل کس حق کی بنا پر کر رہا ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ وہ چور ہے اور اسکے پاس سارا مال چوری کا ہے۔ پھر کیا اسکے معنی یہ ہیں کہ میرے لیے اسکے ہاں چوری کرنا یا اسکی جیب کتر لینا جائز ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اگر متعین طور پر مجھے معلوم ہو کہ اسکے قبضہ میں فلاں مخصوص چیز میرے مملوکہ مال سے چرائی ہوئی ہے اور پھر میں کسی وقت اسے حاصل کر لینے پر اپنے آپ کو قادر پاؤں تو میرے لیے اس کا حاصل کر لینا جائز ہوگا۔ لیکن یہ عام مفروضہ صحیح نہیں ہے کہ چور کے مقبوضہ مال کو چرا لینا بہر حال ہر شخص کے لیے حلال ہے۔

سود کی جو مثال آپ نے دی ہے وہ یہاں اس لیے منطبق نہیں ہوتی کہ سود ہم بینکر سے چھینتے یا چراتے نہیں ہیں بلکہ وہ خود اپنے قاعدہ کے مطابق اسے نکالتا ہے اور ہم اس لیے مجبوراً اسے لے لیتے ہیں کہ اسے چھوڑنا ڈاکو کے اسلحہ خانہ میں چند اور تلواروں کا چھوڑنا ہے تاکہ وہ ان سے مظلوموں کو ذبح کرنے میں اور زیادہ مدد لے۔ پھر اس سُود کو بھی وصول کر کے خود اپنے استعمال میں لانا حلال نہیں ہے، بلکہ اسے نادار طبقوں میں تقسیم کر دینا چاہیے، اس لیے کہ یہ سارا سُود دراصل اُن غریبوں ہی کی جیب سے آتا ہے جو کسی دوسرے پر اس بلا کو پھینک دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔

یہاں پھر یہ سمجھ لیجے کہ ہم حکومت کے اموال پر دست درازی کی مخالفت اس لیے نہیں کرتے کہ یہ حکومت کسی ایماندارانہ برتاؤ کی مستحق ہے، بلکہ صرف اس لیے کرتے ہیں کہ خود ہمارے اندر استحقاق کے بغیر فائدہ اُٹھانے کی بیماری پرورش نہ پائے۔